اصول دعوت اسلام

از جناب مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مذہب اسلام | ہاں جو مذہب اپنی تعلیمات اپنے اسم و رسم اپنی نسبت اور اپنی ماہیت و حقیقت کے لحاظ سے ہمہ گیر جامع ملل اور ساری دنیا کے لئے ایک مکمل پروگرام کی حیثیت رکھتا ہو اور جو اپنی ذاتی وسعت اور وسعت کے ساتھ کشش عام اور جذب تام کا حامل ہو گویا جس میں خود بخود عالم میں پھیل پڑنے کی اسپرٹ موجود ہو وہی اس کا بھی حقدار ہو سکتا ہے کہ اس کی تبلیغ عام ہو وہ ہر پلیٹ فارم سے پھیلے اور اس میں فن تبلیغ کے قواعد و ضوابط کی تعلیم بحیثیت ایک فن کے دی گئی ہو پس اگر انصاف و شعور سے کام لیا جائے تو سلسلۂ مذاہب میں ایسا مذہب بجز اسلام کے دوسرا نہیں اور نہ ہو سکتا ہے جس کے اسم و معنی اس کی ہمہ گیری کے شاہد اور اس کی تمام صفات اس کی عالمگیری پر گواہ ہوں، چنانچہ جیسے اسلام کا لفظ کسی وطن یا شخص کی طرف منسوب نہیں ایسے ہی اس کے دوسرے صفاتی نام، مثلاً سبیلِ رب، صراطِ مستقیم، صراط اللہ، اور حنیفیۃ وغیرہ بھی پکار پکار کر اعلان کر رہے ہیں کہ وہ نہ کسی ملک اور وطن کی میراث ہے نہ کسی مخصوص قوم کی جاگیر ہے اور نہ کسی انسانی شخصیت کی پرستاری اس کا موضوع ہے بلکہ اس کے ان اسماء ہی سے بجائے وطنیت قومیت اور شخصیت کے اس کا عالمگیر اور ہمہ گیر ہونا صاف ظاہر ہے بلکہ اگر اسلام نے کسی موقعہ پر اپنے آپ کو کسی شخص کی طرف منسوب بھی کیا ہے تو ساتھ ہی اس شخصیت کو عالمگیر بتلا کر اس نسبت سے بھی اپنی عالمگیری ہی ثابت کی ہے مثلاً قرآن نے اسلام کو کہیں کہیں ملتِ ابراہیم کا لقب دیا ہے تو ساتھ ہی ابراہیم کی بابت یہ بھی ارشاد فرما دیا ہے کہ

انی جاعلك للناس اماما (سورہ بقرہ) (اے ابراہیم) میں تجھے تمام انسانوں کا مقتدا بنانے والا ہوں

پس جبکہ وہ شخصیت جس کی طرف اسلام کی نسبت تھی خود عالمگیر اور تمام عالم اقوام کے لئے مقتدا بنا دی گئی جیسا کہ ہر زمانہ کی قومیں اس امامت کو تسلیم کرتی آرہی ہیں اور اسلام کے دور میں اس کا ظہور کامل ہوا تو اس نسبت سے بھی اسلام کی وسعت اور ہمہ گیری ہی کی شان نمایاں ہوئی پھر جیسا کہ یہ اسلام اپنے اسماء والقاب اور اپنی نسبتوں کے لحاظ سے پھیل جانے والا مذہب معلوم ہوتا ہے۔ اپنی تعلیمات کی رو سے بھی اس نے اپنی عالمگیری نمایاں تر کر دی ہے چنانچہ اس نے خصوصیت سے ان تعلیمات کا خاص اہتمام کیا ہے جو اس پھیل پڑنے اور ہمہ گیر بن جانے میں خاص اثر رکھتی ہوں اور اس کی عالمگیر تبلیغ کے لئے متقاضی ثابت ہوں مثلاً پھیل پڑنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ وطنی حد بندیوں سے آزاد ہو اور ساری دنیا اس کا وطن ہو تو حضرت داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جعلت لی الارض مسجدا وطہورا (ابن ماجہ) میرے لئے ساری زمین کو مسجد اور ذریعۂ پاکی بنایا گیا ہے

دوسری جگہ سارے عالم کی فتوحات کی بشارت اور ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔

ستفتح علیکم ارضون ویکفیکم — عنقریب تم پر زمینیں فتح ہوں گی اور خدا تمہارے لئے

اللہ فلا یعجز احدکم ان یلہو — کافی ہے (مگر) پھر بھی تم میں سے کوئی شخص تیر اندازی

باسھمہ (مسند احمد) — (فنون جنگ) سے تھکنے نہ پائے۔

ایک جگہ مشرق و مغرب کی فتوحات کی بشارت دیتے ہوئے مسلم حکام کو عدل و احتیاط پر آمادہ فرمایا۔

ستفتح مشارق الارض ومغاربھا علی امتی — عنقریب مشرق و مغرب میری امت پر فتح ہوگی ہاں مگر

الا وعمالھا فی النار الا من اتقی اللہ وادی — اس کے حکام جہنمی ہوں گے الا وہ لوگ جو اللہ سے ڈریں گے

الامانۃ (ابونعیم فی الحلیہ) — اور امانت داری سے حقوق ادا کرتے رہیں گے۔

ایک جگہ ساری زمین کے خزانوں پر اسلام کا قبضہ دکھاتے ہوئے فرمایا گیا۔

اوتیت بمفاتیح خزائن الارض فوضعت — مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں اور خزانے

فی یدی (بخاری و مسلم) — میرے ہاتھ پر رکھ دیئے گئے۔

یہ روایتیں تو اس کی دلیل ہیں کہ مسلم قوم جس کے ساتھ اسلام روح کی طرح وابستہ ہے کسی خاص وطن کی پابند نہیں، ساری دنیا ان کا وطن بنایا گیا ہے، کسی وطن کی حد بندی انھیں دوسرے وطن سے نہیں روک سکتی اور سارے عالم میں ان کے پھیل جانے اور ان کے ہمہ گیر قبضہ کی خبر دی گئی ہے جو ظاہر ہے کہ اسلام کو ساتھ لئے ہوئے ہی ہو سکتا ہے۔ اس خبر کے ساتھ پھر مسلمانوں کو ساری دنیا میں گھومنے اور سیاحت کے لئے سفر کرنے کا حکم بھی شرعی طور پر دیا گیا۔ پھر نہ صرف ایک آدھ ہی نوع بلکہ متعدد انواع سفر کے تاکیدی اور ترغیبی احکام صادر فرمائے تاکہ مسلمان مارا لکد کی طرح کسی ایک ہی خطۂ زمین میں پڑے رہنے کے عادی نہ ہو جائیں۔

تعلیمی سفر | سب سے پہلے تعلیمی سفروں کی ترغیب بلکہ تاکید فرمائی گئی اور اس لئے کی گئی کہ جب اسلام میں علم کسی قبیلہ یا خاندان کی میراث نہ تھا اور صحابہ ہی کے زمانۂ خیر و برکت میں علم تمام خطوں میں منتشر ہو چکا تھا اس لئے تحصیل علم بھی کسی ایک مقام کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کمال علم بغیر سفر کئے ہوئے اور علمی مراکز میں گھومے ہوئے حاصل نہیں ہو سکتا تھا ارشاد ربانی ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ — ہر فرقہ میں سے ایک گروہ نے اس غرض سے کیوں سفر نہیں
لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا — کیا کہ وہ دین میں تفقہ پیدا کریں اور جب تحصیل علم سے
قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ — فارغ ہو کر واپس آجائیں تو اپنی قوم کو اللہ کے احکام سے
يَحْذَرُونَ۔ — ڈرائیں تاکہ وہ (بُرے کاموں سے) بچیں۔

اخلاقی سفر | پھر عبرت پذیری کے لئے اقوام سابقہ کے آثار اور گرے ہوئے کھنڈروں کی طرف سفر کا حکم فرمایا گیا، تاکہ دلوں میں بے ثباتی دنیا کا نقشہ قائم ہو کر اخلاق میں صفائی کا باعث ہو، عمر ناپائیدار کو تہیۂ آخرت میں صرف کرنے کے دواعی دلوں میں قائم ہوں حُبِّ دنیا کم ہو اور حُبِّ آخرت بڑھے اور رذائل سے نفس پاک و صاف ہو جائے۔ ارشادِ حق ہے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا — کیا یہ لوگ دنیا میں سفر نہیں کرتے تاکہ ان کے لئے سمجھ دار دل

اَوْاٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا۔ اور سننے والے کان حاصل ہوں۔

تبلیغی سفر | پھر تبلیغ دین کے سلسلہ میں سفروں کا حکم دیا گیا کہ اہلِ حق طالبوں کے آنے کے منتظر نہ رہیں بلکہ خود ہی تشنۂ ہدایت مواقع پر پہنچکر ہدایت خلق اللہ کا فریضہ انجام دیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے مصر کا سفر کرنے اور فرعون کو راہِ حق دکھانے کا ارشاد ہوا۔

اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کی ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حجاز سے عراق پہنچکر نمرود کی اصلاح کا حکم ہوا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف حجاز میں خود بھی تبلیغی سفر کئے اور جگہ جگہ افطار عالم میں تبلیغی وفود روانہ فرمائے تاکہ عالم کلمۂ حق کے آبِ حیات سے سیراب ہوسکے۔

عباداتی سفر | پھر عباداتی سفروں کی مستقل بنیاد قائم فرمائی حتی کہ خود ایک سفر ہی کو مستقل عبادت قرار دیا جیسا کہ سفر حج کہ اس میں چلنا پھرنا گھومنا دوڑنا اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنا ہی عبادت ہے حتی کہ خاص مکہ کا باشندہ بھی حج کو بلا سفر اختیار کئے ادا نہیں کرسکتا۔ کہ یہ عبادت ہی عین سفر ہے جسے عمر بھر میں ایک دفعہ فرضِ عین قرار دیا گیا ہے گویا ہر مسلمان پر مذہبًا ایک دفعہ سفر فرض کردیا گیا ہے۔

جہادی سفر | پھر اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جنگی سفروں کا حکم دیا گیا اور کسی ایک خطہ کا نہیں بلکہ پوری زمین کا جہاں بھی ضرورت محسوس ہو اور اسباب مہیا ہوجائیں۔ اور پھر ان سفروں میں مزید سہولت کرنے کے لئے نماز بھی آدھی فرمادی گئی۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ اور جب تم سفر میں ہو تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے کہ تم
جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ نماز میں قصر کرو۔ اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ کافر
خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ تم کو فتنہ میں مبتلا کردیں گے۔ کوئی شبہ نہیں کہ کافر
الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝ تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔

دوسری جگہ اس سفر جہاد کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کے اختیار نہ کرنے پر ملامت فرمائی گئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا	اے ایمان والو! تم کو کیا ہو گیا جب تم سے کہا جاتا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ	ہے کہ تم اللہ کے راستہ میں سفر کرو تو تم بھاری بھرکم
أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ	بن جاتے ہو، کیا تم دنیا کی زندگی سے راضی ہو گئے ہو
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا	(اگر ایسا ہے تو یاد رکھو) آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی
قَلِيلٌ۔	زندگی کچھ نہیں مگر کم۔

تجارتی سفر پھر تجارتی سفروں کی بنیاد رکھی گئی جو محض روٹی کمانے اور رزق ڈھونڈنے کے لئے کئے جائیں اور ایسے سفروں کی بھی ترغیب دی گئی۔ ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا	یہ وہی خدا ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے ذلیل کر دیا
فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن	ہے اب تم اس کے کاندھوں پر سوار ہو کر چلو پھرو،
رِّزْقِهِ۔	اور اللہ کا رزق کھاؤ۔

غرض سفروں کی مختلف انواع ہیں جن کو امت کے مختلف طبقات نے اپنے مناسب حال اختیار کیا۔ طلبہ نے تعلیمی سفر کئے، صوفیا نے اخلاقی سفر کئے مبلغین اور واعظوں نے تبلیغی سفر کئے مجاہدین نے جہادی سفر کئے اور تاجروں نے تجارتی سفر اختیار کر کے ہر نہج سے ہر ایک طبقہ نے اسلامی خدمات انجام دیں، بہرحال زمین کے خطوں میں سفر کرنے بحر و بر کو ناپنے اور سارے عالم کی مشارق و مغارب میں گھومنے پھرنے کی ان ہدایات بلکہ تاکیدات سے صاف واضح ہے کہ اسلام اور مسلمان جغرافیائی وطنیت کا قائل نہیں ہے اگر وہ وطن پرور ہے تو بایں معنی کہ ساری دنیا اس کا وطن ہے۔

اسلام قومیت سے بلند و بالا ہے پھر جیسے اس میں وطنیت نہیں ایسے ہی کوئی اصطلاحی قومیت بھی اس کے دامن کو داغدار کئے ہوئے نہیں ہے وہ کسی نسل کسی قبیلہ کسی رنگ کا پابند نہیں، بلکہ ساری دنیا کی اقوام کو ایک

پلیٹ فارم پر جمع کر کے قوم واحد بنانے کے لئے آیا ہے ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔	آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنکر آیا ہوں۔
تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔	وہ خدا بڑا بابرکت ہے جس نے اپنے بندہ پر قرآن مجید نازل کیا تاکہ وہ تمام عالم والوں کے لئے نذیر بن جائے۔

حدیث نبوی میں ارشاد ہے۔

بعثت الی الناس کافۃ	میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔
بعثت الی الاسود والاحمر	میں کالے اور گورے سب کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

ان آیات و روایات سے واضح ہے کہ اسلام وطن، نسل، قوم، رنگ وغیرہ کی یہ سب قیدیں اڑا کر چاہتا ہے کہ اس کا پیغام تمام عالم کو پہنچ جائے چنانچہ جگہ جگہ تبلیغ، دعوت، موعظت، تذکیر، نصیحت، امر بالمعروف، ہدایت ارشاد وغیرہ کے عنوانات سے اس نے اس پروگرام کو پھیلانے اور دنیا کے چپہ چپہ تک پہنچا دینے کی موکد ہدایات فرمائی ہیں جس سے واضح ہو گیا کہ اسلام ہی میں پھیل پڑنے عام ہو جانے اور عالمگیر بن جانے کی صلاحیت تھی اس لئے اسی نے اپنا مقصد دعوت عام رکھا اور اس لئے اسی مذہب کو جائز ور اجتماعی مذہب کہا جائے گا اور اس لئے وہی تبلیغی کہلائے جانے کا بھی مستحق ہو گا اور اس بنا پر صرف اسی میں طرق تبلیغ پر ایک فن کی حیثیت سے بحث ہونی چاہئے

غور کرو تو اس آیت دعوت نے اسلام کی اس جامعیت اور احاطۂ کلی کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ کہ آیت میں جب اسلام کو بنام سبیل رب مدعو الیہ (دعوتی پروگرام) ٹھیرا کر اس کی طرف اُدع سے دعوت دینے کا امر کیا تو اس کا مفعول ذکر نہیں کیا کہ کس کو دعوت دو، اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ عربیت کے قواعد کے مطابق ایسے مواقع میں مفعول کا ذکر نہ کیا جانا اس کے عام ہونے کی دلیل ہوتی ہے تو حاصل یہ نکلا کہ سبیلِ رب کی دعوت ہر اس شخص کو دو جس میں فہم خطاب کا مادہ ہو یعنی ہر ایک عاقل بالغ انسان کو تبلیغ کرو۔ اور

ظاہر ہے کہ دعوت عام ویسا، اور ساری دنیا کو اس دعوت کا مدعو ٹھیرا دینا جب ہی ممکن ہے کہ خود دعوتی پروگرام میں بھی عموم و ہمہ گیری کی صلاحیت ہو ورنہ امرِ عام عبث ٹھیر جائے جو کلام الٰہی میں محال ہے اس لئے عموم دعوت اور عموم مدعوین کا مقتضا قدرتی طور پر عموم مدعوالیہ ہوتا ہے یعنی دعوتی پروگرام بھی بذاتِ خود عالمگیری کی شان رکھتا ہو، اس لئے اسلام کا تبلیغی ہونا، جامع ہونا اور اجتماعی ہونا اسی آیت کے اقتضا سے ثابت ہو جاتا ہے۔

بہرحال یہاں تک مدعوالیہ یعنی دعوتی پروگرام کے احوال و اوصاف کے متعلق بحث تھی اور الحمد للہ کہ اس کے پانچ جامع اوصاف تشریعیت یعنی منجانب اللہ ہونا، سنیت یعنی اختراعی نہ ہونا، سذاجت یعنی بے تکلف اور سادہ ہونا، عمومیت یعنی ہمہ گیر ہونا، اور اجتماعیت یعنی اس کے کاموں کا اجتماعی رنگ میں ہونا سب اس آیتِ دعوت سے ثابت ہو گئے۔

دعوت الی اللہ | مدعوالیہ یعنی دعوتی پروگرام کی تشریح کے بعد اب نفسِ دعوت کا مقام آتا ہے کہ ایسے جامع پروگرام کو پہنچانے کے لئے دعوت و تبلیغ کی کیا نوعیت ہونی چاہیئے اور کس انداز سے دعوت دی جائے کہ دنیا کا ہر فرد بشر اس پروگرام کی طرف مائل ہو جائے۔ آیا محض پروگرام پیش کر دینا کافی ہے یا پیش کرنے کا کوئی خاص ڈھنگ بھی مطلوب ہے؟ تو اس کے متعلق بھی اسی آیتِ دعوت نے کافی روشنی پیش کی ہے، دعوت کے طریقوں اور انواع پر روشنی ڈالتے ہوئے آیتِ کریمہ نے بتلایا ہے کہ دعوت الی اللہ اصولاً صرف تین طریقوں میں منحصر ہے جس کی دلیل حصر یہ ہے کہ مذہبی دعوت و تبلیغ جب تک کسی حجت و دلیل پر مبنی نہ ہو ظاہر ہے کہ وہ قابلِ قبول نہیں ہو سکتی اور حجت بیانی کی عقلاً دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ حجت اپنے مذہب کی تحقیق و اثبات کے لئے لائی جائے، دوسرے یہ کہ مخالف پر الزام قائم کرنے کے لئے استعمال کی جائے تاکہ وہ لاجواب اور ساکت ہو جائے، اگر تحقیقِ مذہب کے لئے استعمال کی گئی ہے تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں یا یہ حجت ایسی قطعی اور یقینی ہو کہ مخاطب کے دل میں باول وہلہ یقین و انشراح کی کیفیات پیدا کر دے اور یا ایسی قطعی نہ ہو بلکہ محض ظنی ہو جس سے مخاطب کو فی الجملہ کسی حد تک مدعا میں طمانیت اور قناعت قلبی پیدا ہو جائے۔

حکمت | پہلی نوعیت کے ساتھ اثبات مذہب کرنا جو مخاطب کے دل میں مذہب کے اعتقادات کے متعلق یقین اور قطعیت پیدا کردے حکمت کہلاتا ہے۔

موعظت | دوسری نوعیت کی حجت سے اثبات مذہب کرنا جس سے مذہبی عقائد کی حقانیت کے متعلق ظن غالب دل میں بیٹھ جائے اور اس کی مخالف جانب مضمحل اور ناقابلِ شمار ہو کر مغلوب و مستور ہو جائے موعظت کہلاتا ہے۔

مجادلت | اور تیسری نوعیت کی حجت کے ساتھ مخالف کے سامنے آنا اور اتمام حجت کے ساتھ الزامی جوابات سے اسے ساکت اور لاجواب کر دینا مجادلت کہلاتا ہے۔ اس تقسیم سے تبلیغ حق کی انواع سہ گانہ متخص ہوئیں حکمت، موعظت اور مجادلت قرآنِ حکیم نے ان کو پاکیزہ اسلوب پر لانے کے لئے ان کے اوصاف کی طرف بھی واضح اشارے فرمائے ہیں جس سے یہ انواعِ دعوت مخاطبوں کے دلوں میں گھر کر سکیں گویا قرآن نے تنبیہ کی ہے کہ حجت بیانی کے ان تینوں طریقوں میں اسلوب اور روش پاکیزہ ہونی چاہیئے بے ڈھنگا پن نہ ہو، بالخصوص مجادلہ و مناظرہ کہ اس میں معاملہ دشمنوں اور معاندوں سے پڑتا ہے جو اثنارِ بحث میں اپنی اشتعال انگیزیوں سے اس کی خاص سعی کرتے ہیں کہ مناظرِ اسلام جوش میں آکر آپے سے باہر ہو جائے اور کچھ کا کچھ کہنے لگے تاکہ بجائے مقابل کے وہ خود ساکت کیا جا سکے اس لئے مناظر کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑے گا تاکہ دشمن پر اتمام حجت ہو جائے اور مناظر کی کسی حرکت سے مذہب اور مذہبی استدلال کو صدمہ بھی نہ پہنچنے پائے اس لئے مجادلہ کو پاکیزہ ڈھنگ پر لانے اور اس میں حسن و خوبی پیدا کرنے کے لئے قرآن نے تین لفظ استعمال فرمائے ہیں۔ بالتی اور ھی اور احسن یعنی مجادلہ اس روش پر ہو کہ وہ روش بہتر سے بہتر ہو۔ اور یہ عربیت کا مانا ہوا قاعدہ ہے کہ کثرۃ المبانی تدل علی کثرۃ المعانی (الفاظ کی کثرت معانی اور مقاصد کی کثرت کی دلیل ہوتی ہی ظاہر ہے کہ جب یہاں معنی و مقصد حسنِ مجادلہ ہے تو یہ الفاظ کی کثرت اس حسن ہی کی زیادۃ و کثرت اور تاکید در تاکید کے لئے ہو سکتی ہے اب حاصل یہ ہوگا کہ اپنے مجادلہ میں حُسن در حُسن پیدا کرو کیونکہ سابقہ دشمنِ معاند سے ہے جسے رام کرنا ہے تو کوئی ادنیٰ بے ڈھنگا پن بھی نہ ہونے پائے کہ اسے دین یا مناظرِ دین کی ہوا خیزی کا موقعہ ملے۔

ادھر موعظت میں سابقہ اپنوں سے ہوتا ہے دشمنوں سے نہیں اس لئے اس میں کسی خاص اہتمام کی ضرورت

نہ تھی، البتہ یہ ضرور تھا کہ موعظت کی تاثیر پیرایۂ بیان کی عمدگی سے ہو سکتی تھی کہ عنوان دلچسپ ہو تاکہ مخاطبوں پر اثر پڑ سکے گویا موعظت میں حسن پیدا کرنے کے لئے نہ تو اتنی تاکید کی ضرورت تھی کہ کئی کئی الفاظ سے اُسے مضبوط کیا جاتا اور نہ اُسے حسن وخوبی سے معرّیٰ چھوڑ دیا جانا ہی مفید تھا کہ کوئی لفظ بھی حسنِ موعظت پر دلالت کرنے والا نہ لایا جاتا بلکہ اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ جب موعظت کا پیرایۂ بیان اچھا بھی ہوتا ہے اور بُرا بھی اور ممکن تھا کہ اس آیت کا مخاطب ہر اچھی بُری اور ڈھنگی یا بے ڈھنگی موعظت میں اپنے کو آزاد سمجھتا اس لئے موعظت کے ساتھ صرف حَسَنَۃٌ کی ایک قید لائی جانی کافی سمجھی گئی تاکہ واعظ اور مذکّر مضمونِ وعظ کو ذہن میں مرتب کر کے خوبصورت اور مؤثر پیرایہ میں ادا کر دے۔

ادھر حکمت میں سابقہ عقلا اور تحقیق پسند اصحاب سے پڑتا ہے جن سے اشتعال انگیزی یا تمسخر واستہزار کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا وہ اپنی حکمت پسندی سے ہمہ تن صرف حکمت ہی سننے کے متلاشی ہوتے ہیں نہ کہ متکلم کی ذات یا مسلک پر حملہ کر کے اسے مشتعل کرنے کے اس لئے اُن سے تخاطب کے وقت ضرورت صرف ایسے ہی کلام کی ہو سکتی تھی جو بذاتہ اعلیٰ اور پاکیزہ ہو کہ اُسے جس پیرایہ میں بھی پیش کر دو دلپذیر ہی ہو اور یہ شان حکمتوں اور حقایق ہی کی ہوتی ہے کہ وہ پیرایوں کی خوبصورتی اور عنوانوں کی شوخی کی محتاج نہیں ہوتیں بلکہ ان میں خود بذاتہ ایک کشش اور دلپذیری ہوتی ہے جو انھیں عنوانوں سے مستغنی رکھتی ہے حتی کہ حقائق بیانی میں عنوانات کو آراستہ کرنے کی فکر کی جائے تو بسا اوقات کلام بھدّا اور غیر مؤثر ہو جاتا ہے اس لئے یہاں حکمت کے ساتھ حسن کی کوئی بھی قید لگانے کی ضرورت نہ تھی کہ حکمت کبھی بھدّی اور غیر حسن ہوتی ہی نہیں کہ اسے حسنہ اور غیر حسنہ کی طرف منقسم کیا جائے نیز اس کے مخاطب ایسے نامعقول ہوتے ہی نہیں کہ اُن کے خیال سے کلام حکمت کی لفظی آرائش وزیبائش کی فکر کی جائے۔

خلاصہ یہ کہ مناظرہ جبکہ بہت اچھا بھی ہوتا تھا اگر ڈھنگ سے ہو، اور بہت بُرا بھی ہو سکتا تھا اگر جذبات درمیان میں آجائیں اس لئے اس کی بہت برائی کے دفعیہ اور بہت خوبی کی تحصیل کے لئے تین تاکیدی کلمات آئے بالتی ھی احسن، ادھر موعظت جبکہ کبھی اچھے ڈھنگ پر ہوتی تھی کبھی بُرے رنگ پر اس لئے اس کی مطلق برائی رفع کرنے اور اسی درجہ کی خوبی پیدا کرنے کے لئے اس کی صرف ایک صفت حَسَنَۃٌ پر قناعت کی گئی۔ ادھر حکمت جبکہ

سرتاپا خوبی تھی اسے صفات کے ذریعہ اچھا بنانے کی ضرورت ہی نہ تھی اس لئے یہاں حکمت کے ساتھ کسی صفت لانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

دعوت عملی | پھر قرآن میں دعوت الی اللہ کے ان تین طریقوں حکمت، موعظت، مجادلت کے ساتھ چونکہ کوئی قید اور تخصیص مذکور نہیں اس لئے یہ تینوں دعوتیں اپنے عموم اور اطلاق پر باقی رہیں گی اور دعوت و تبلیغ کا عموم یہی ہو سکتا ہے کہ خواہ وہ قولی ہو یا فعلی۔ یعنی مبلغ خواہ زبان سے حق کی دعوت دے یا اپنے کسی طرزِ عمل سے دونوں کا ڈھنگ ایسا ہونا چاہئے کہ مخاطبوں کے دل میں حق سرایت کر جائے اور وہ حق کی طرف جھک پڑیں۔ گویا جس طرح مبلغ کے حُسنِ بیان سے مخاطبوں کے شبہات رفع ہوتے تھے اور حق و صداقت پر قناعتِ قلبی اور طمانیت پیدا ہوتی تھی اسی طرح اس کا طرزِ عمل بلکہ ہر نقل و حرکت بھی تبلیغی ہی ہونی چاہئے جس سے لوگ جوق در جوق دائرۂ حق میں داخل ہو جائیں، عملی حکمت سے ان کے دلوں میں دین پر وثوق و ایقان پیدا ہو، عملی موعظت سے ان میں قناعت قلبی قائم ہو اور عملی مجادلت سے ان کے شکوک و شبہات کا قلع قمع ہو جائے۔

اس لحاظ سے دعوت کی یہ سہ گانہ قسمیں نظری اور عملی کی طرف منقسم ہو کر چھ ہو جائیں گی۔ حکمتِ نظری اور حکمتِ عملی، موعظت نظری اور موعظت عملی، مجادلۂ نظری اور مجادلۂ عملی۔ دعوت قولی کی تینوں قسموں کی تفصیلات ابھی ابھی گذر چکی ہیں جن میں حکمت و موعظت اور مجادلت کا علمی اور فکری پہلو واضح کیا گیا تھا جو مخاطب کو مبلغ کے سامنے بزورِ علم جھکا دیتا تھا لیکن یہی تینوں حقائق جب عملی رنگ میں مبلغ کی ذات سے صادر ہوتے ہیں تو یہ عملی تبلیغ عامۂ ناس کے حق میں نظری سے بھی زیادہ قوی اور مؤثر ثابت ہوتی ہے اور مخاطبوں کو مبلغ کے سامنے اور بھی زیادہ سرنگوں کر دیتی ہے۔

مثلاً حکمتِ عملی کے تحت میں انبیاء علیہم السلام کے معجزات اولیاء کرام کی کرامات صلحاء کے اصلاحی رنگ ڈھنگ ایسے اونچے دلائل ہیں کہ تاثیرِ عام میں ان کا مقابلہ فکری دلائل نہیں کر سکتے۔ علمی میدان میں ایک چیز محض کہی جاتی ہے اور عملی میدان میں اُسے کر کے دکھایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مشاہدہ کا جو اثر ہو سکتا ہے وہ محض کہنے سننے کا نہیں ہو سکتا

موعظتِ عملی | موعظتِ عملی کے سلسلہ میں ایک داعیٔ دین نے اپنے ایک متوسل کے دل سے حسنِ صورت کی محبت مٹانے اور حسنِ سیرت کی محبت قائم کرنے کے لئے زبان کے بجائے عملی حکمت سے اس طرح کام لیا کہ اپنی ایک چھوکری کو جوان کے ایک متوسل کی منظورِ نظر ہوگئی تھی اور ذکر اللہ میں حارج ہوتی تھی مُسہلہ دوائیں کھلا کر زرد رنگ بدہیئت اور بے انتہا لاغر بنا دیا پھر اس متوسل کے پاس امتحاناً بھیجا متوسل نے معمول سابق کے خلاف بجائے میلان کے اعراض اور تنفر اختیار کیا اور نگاہ بھر کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا۔ شیخ نے یہ کیفیت دیکھکر متوسل کو ان فضلات و نجاسات پر لا کر کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ یہ ہے آپ کا محبوب، چھوکری آپ کی محبوبہ نہ تھی کیونکہ جب تک اس چھوکری میں یہ نجس فضلات بھرے ہوئے تھے آپ کو اس سے محبت تھی آج یہ فضلات اس کے بدن سے خارج ہوگئے تو آپ کو نفرت ہوگئی اس لئے آپ کا محبوب یہ لڑکی نہیں ہے کہ اس کی ذات تو اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی بلکہ یہ بول و براز ہے۔ اس سے طالب کو عبرت اور ہدایت ہوئی اور اس کا دل صورتوں کی محبت سے پاک ہوکر سیرتوں کا طالب بن گیا۔ پس یہ موعظت تھی مگر عملی اور علمی سے کہیں زیادہ موثر جس نے اکدم اُس مرید کے دل کی کایا پلٹ دی۔

مجادلۂ عملی | یا مثلاً مجادلۂ عملی کے سلسلہ میں حضرت شبلیؒ کے زمانہ میں دہریوں نے قرآن کی اس آیت کو رد کرتے ہوئے کہ روح امرِ الٰہی کا نام ہے یہ دعویٰ کیا کہ روح خون کی حرارت اور بخارِ لطیف کا نام ہے جس سے آدمی زندہ ہے، زندگی اور روح کو امرِ الٰہی سے کیا تعلق؟ شیخ نے بجائے علمی مناظروں کے اسی وقت برسرِ مجمع اپنی شہ رگیں کٹوا کر سارا خون نکلوا دیا اور پھر کھڑے ہوکر فرمایا کہ اب میں کیوں زندہ ہوں جبکہ مجھ میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں ہے؟ کیا اب بھی اس میں کوئی شبہ ہے کہ قل الروح من امر ربی زندگی محض امرِ الٰہی سے قائم ہوتی ہے خون سے نہیں، یہ مجادلہ تھا مگر عملی اور علمی مجادلہ سے کہیں زیادہ موثر، کیونکہ اب تک کے فلسفیانہ مناظروں سے ادھر تو لوگوں کے شبہات میں اضافہ ہو رہا تھا اور اُدھر دہریوں کی آواز کو پھیلنے کا موقع مل رہا تھا لیکن شیخ کے اس عملی مجادلہ سے دہریوں کی شہ رگ کٹ گئی اور شبہات زدہ لوگ سب کے سب ہدایت پر آگئے۔

حکمت عملی | یا مثلاً حکمت عملی کے سلسلہ میں بعض مشائخ کے سامنے چند فلسفی مزاج لوگوں نے کلامِ الٰہی کی جھاڑ پھونک

اور دعا کے موثر ہونے کا انکار کیا، شیخ نے بجائے قولی تفہیم کے انھیں تیز کلامی کے ساتھ چند تہذیب سے گرے ہوئے جملے کہہ ڈالے جس سے یہ فلسفی غیظ و غضب اور انتہائی جوش میں آگئے، اُن کا بدن کپکپانے لگا اور خون کھول جانے سے چہرے تمتما اٹھے، کچھ عرصہ بعد شیخ نے ان کی تعریف میں کچھ غیر معمولی اور مبالغہ آمیز کلمات کہہ دیئے جن سے وہ پہلا اثر زائل ہو کر ایک نیا اثر انبساط و نشاط کا پیدا ہو گیا، اس پر شیخ نے فرمایا تم سمجھے کہ میں نے کیا کیا؟ یہ میں نے تمہیں عملی جواب دیا ہے، تم غور کرو کہ میرے چند کلمات نے جو درحقیقت واقعیت بھی لئے ہوئے نہ تھے تم میں اس قدر ہیجانِ عظیم اور انقلاب بپا کر دیا کہ تمہارے چہرے سفید سے سُرخ اور سرخ سے سفید ہو گئے۔ تمہارے بدن ساکن سے متحرک اور متحرک سے ساکن ہو گئے، اندرونی قوی میں انبساط سے انقباض اور انقباض سے انبساط پیدا ہو گیا اور تمہارے نفسانی نظام میں ہیجان بپا ہو گیا، تو کیا خدا کا پاک کلام جو حقیقتاً روح حیات ہے بدن اور روح میں کوئی ایسا انقلاب پیدا نہیں کر سکتا کہ آدمی صحت سے مرض اور مرض سے صحت کی طرف لوٹ جائے اور اس کی طبیعت اس درجہ نشاط و قوت کا اثر قبول کرے کہ خود ہی مرض کو دفع کرنے میں کامیاب ہو جائے؛ پس یہ حکمت تھی مگر عملی جو حکمتِ نظری سے زیادہ موثر ثابت ہوئی۔

بہرحال حجت بیانی کے یہ تینوں طریقے قولی یا نظری کی قید سے مقید نہ تھے بلکہ نظری اور عملی دونوں کو عام تھے اس لئے جہاں دعوتِ قولی کی یہ تین قسمیں آیتِ دعوت سے ثابت ہوئیں دعوتِ عملی کی بھی یہی تینوں قسمیں اسی آیت سے ثابت ہوئیں اور اگر دعوتِ نظری مع اپنی تینوں قسموں کے مبلغ کے لئے ضروری ہے، تو دعوتِ عملی بھی مبلغ کے لئے اسی آیت سے ضروری ثابت ہوئی۔

رعایت طبائع | ہاں پھر دعوت الی اللہ کے یہ چھ طریقے اور اصول جبکہ اس لئے وضع کئے گئے کہ مخاطبوں کی قسمیں بھی دنیا میں اتنی ہی تھیں تو اس سے ایک اصول خود نکل آیا اور وہ یہ کہ حق تعالیٰ کو محض تبلیغ ہی مطلوب نہیں بلکہ اُس کے ساتھ مخاطبوں کے احوال اور طبائع کی رعایت بھی منظور ہے جس کا منشا شفقت ہے۔ اگر بنی آدم کے مزاجوں اور ذہنیتوں کی رعایت ملحوظ خاطر نہ ہوتی تو صرف احکامِ الٰہی کا پہنچا دیا جانا کافی سمجھا جاتا،

استدلال کی راہ اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی، چہ جائیکہ استدلال کی انواع و اقسام پر بہ تفصیل روشنی ڈالی جاتی پس جبکہ انسانوں کے داعیٔ اول حق جل مجدہ نے اپنے مخاطبوں کی یہ رعایت فرمائی تو اس سے آیت کا منشا صاف طور پر واضح ہوا کہ تمام داعیانِ دین کا فرض ہے کہ وہ رعایتِ طبع کے ماتحت مخاطبوں کی ذہنیتوں کا اندازہ کر کے تبلیغ کا آغاز کریں ورنہ بلا رعایتِ طبائع ان کی دعوت و تبلیغ موثر نہیں ہوگی اس ثابت شدہ کلیہ کے ماتحت رعایتِ طبائع کی جسقدر بھی جزئیات ہونگی وہ سب اسی آیت سے ثابت شدہ مانی جائیں گی۔

فصاحتِ کلام چنانچہ اس کلیہ کا فرد یہ ہے کہ مبلغ اپنے کلام کو فصاحت و بلاغت سے آراستہ کرے خواہ وہ حکمت سے کام لے یا موعظت اور مجادلہ کے میدان میں آئے بہرحال شستہ کلامی فصاحت لسانی اور بلاغت بیانی اس کا خاص شعار ہونا چاہیئے تاکہ مخاطب صحیح عنوان سے صحیح مقاصد ہی اخذ کر سکے۔ اگر کلام میں پیچیدگی گنجلک اور بے ترتیبی ہو یا کلام ان محاورات کے مطابق نہ ہو جس کے اہلِ لسان خوگر ہوں تو مخاطب صحیح اثر قبول نہ کر سکیں گے اور کلام رائیگاں چلا جائیگا۔ اس لئے کلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ مقتضائے حال کے مناسب ہو، زبانہ اور وقت کی زبان میں ہو اور ایسے عنوان سے ہو جو لوگوں میں معروف اور متعارف ہو، غریب لغات ناشناسا تعبیرات اور بے محاورہ کلام نہ ہو ورنہ کلام میں نہ دلچسپی پیدا ہو سکتی ہے نہ تاثیر۔ اس لئے حدیث نبوی میں اس قسم کے کلام کی صریح ممانعت فرمائی گئی ہے ارشاد نبوی ہے۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے

عن الاغلوطات (مشکوۃ) پیچیدہ اور مغالطہ انگیز کلام سے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھنے کی یہ کہکر درخواست کی کہ وہ مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں اور میری تقریر کی تائید میں جب وہ رواں اور صاف تقریر کریں گے تو قلوب پر اچھا اثر پڑیگا ورنہ مجھے ڈر ہے کہ میری رکتی ہوئی زبان سے لوگ برا اثر نہ لیں

اور تکذیب کے درپے نہ ہو جائیں۔ ارشاد ہے۔

وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا	اور (اے میرے رب) میرے بھائی ہرون کی زبان مجھ سے
فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ اِنِّیْٓ	زیادہ رواں ہے تو ان کو میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ
اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ۔	بھیج دیجئے کہ وہ (میری تقریر کی تائید اور) تصدیق کریں گے
(القصص)	ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ (فرعون اور اس کے درباری) میری تکذیب کریں گے

اس واقعہ سے واضح ہے کہ کلام مخاطبوں کی ذہنیت کے مناسب ہو کر ہی اثر انداز ہوتا ہے۔ گویا شہروں میں ادبی زبان، دیہات میں معمولی اور سادہ زبان، علمی طبقوں میں اصطلاحی زبان اور اہل فنون کے طبقہ میں فلسفیانہ زبان ہی مفید اور موثر ہو سکتی ہے

تنوع مضامین دعوت پھر مخاطبوں کی رعایت کے سلسلہ میں مبلغ پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ دعوت و تبلیغ کو مختلف قسم کے مضامین سے آراستہ کر کے پیش کرے، اس میں وعدے بھی ہوں اور وعیدیں بھی، بشارتیں بھی ہوں اور تخویفیں بھی، ترغیب بھی ہو اور ترہیب بھی، صفتِ جنت بھی ہو اور احوالِ نار بھی، فضائل بھی ہوں اور احکام بھی، قصص بھی ہوں اور عبر و امثال بھی، حِکَم و اسرار بھی ہوں اور علمی لطائف و ظرائف بھی، غرض جو قرآنِ کریم کا طرزِ خطاب ہے اسی کے نقشِ قدم پر یہ دعوت بھی مختلف الالوان مضامین پر مشتمل ہونی چاہئے تاکہ نو بہ نو مضامین سے مخاطبوں کے شوق کی تجدید ہوتی رہے ورنہ ایک ہی نوع کے مضامین سے مخاطب تنگ ہو کر اُکتا جائیں گے اور تبلیغ کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

مثلاً نوعیتِ بیان یہ ہونی چاہئے کہ اولاً اس میں نیکی کے فضائل اور بدی کی مذمت بیان ہو خواہ وہ نیکی بدی عبادت کے دائرہ کی ہو یا عادت کے۔ معاشرت کی ہو یا معیشت خانگی کی، تدبیر منزل کی ہو یا سیاست مدن کی۔ جب مخاطبین ادھر جھک جائیں تو پھر ذکر اللہ اور طاعت کی مثالیں پیش کی جائیں۔ جب اس درجہ پر آکر ان کا شوق بھڑک اٹھے تو پھر انھیں ضبطِ لسان اور حفاظتِ قلب کی تلقین کی جائے کہ اُسے برے خیالات

اور گندے اخلاق کا ظرف نہ بنائیں، زبان کو سب وشتم، غیبت وچغلی اور فضول گوئی سے آلودہ نہ کریں۔ پھر اس مقصد پر مخاطبوں کو اُبھارنے کے لئے سلف کی پاکبازانہ زندگیوں کے واقعات ذکر کئے جائیں تاریخی حوالے پیش کئے جائیں مہذب قوموں اور متدین قرون کے احوال سنائے جائیں، اُن کے نیک انجام پر روشنی ڈالی جائے، نیز عبرت کے لئے بدکار اقوام کا انجام بد دکھلایا جائے۔ پھر لمبی چوڑی امیدوں اور غفلتوں کو توڑنے کے لئے بے ثباتی دنیا اور زندگی کی ناپائیداری کا ذکر کیا جائے کہ یہ سارا عالم قصہ کہانی سے زیادہ نہیں ہے ع

حال دنیا را بہ پرسیدم من از فرزانۂ — گفت یا خوابست یا بادست یا افسانۂ
باز پرسیدم بحالِ آنکہ دروے دل بہ بست — گفت یا غولیست یا دیویست یا دیوانۂ

پھر قلوب میں رقت اور رجوع وانابت نیز سامعین میں خوفِ خدا پیدا کرنے کے لئے موت اور اہوالِ موت کا ذکر کیا جائے کہ فنا کی ساعت قریب ہے مہلت کم ہے، ہر عمل کا انجام سامنے آنے والا ہے پھر نزع اور قبض روح کے وہ حسّی حالات جو سب کی نگاہوں سے گذرتے ہیں سنائے جائیں کہ کس طرح دنیا سے کوچ ہوتا ہے اور کس طرح ایک انسان اپنی سارے مرغوباتِ طبع دم کے دم میں چھوڑ کر اس طرح چل دیتا ہے کہ پھر اس کا کوئی نقشِ پا بھی دنیا میں باقی نہیں رہتا ؎

بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوابِ ہستی کی — کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

پھر قبر کی ہولناکی اس کی وحشت وتنہائی اور بے مونسی کا منظر پیش کیا جائے اور یہ کہ اس کی ہر مصیبت کا تدارک عمل صالح ہے پھر یومِ حساب اور اس کی شدت اور غضب الٰہی کا ظہور تمام حشر کے ہولناک حوادث ملائکہ اور انبیا علیہم السلام کا لرزہ براندام ہونا اور ہر ایک نفس کا اپنی فکر میں غرق ہونا وغیرہ سامنے لایا جائے، پھر جنت ونار نعیم وجحیم اور رحمت وقہر کے نمونے دکھلائے جائیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اس نوعیت کے مضامین سے تبلیغ لبریز ہوگی تو بلاشبہ قلوب میں اثر پیدا کریگی کیونکہ اس میں طبائع قلوب اور ارواح سب ہی کی رعایت ہوگی جو روح تربیت ہے اور جبکہ مخاطبین کے احوال کی رعایت آیتِ دعوت سے ضروری ثابت ہوئی تو اس قسم کے تمام امور جن کو مخاطبوں کی رعایتِ طبائع میں دخل ہے بلاشبہ آیت کا مقتضا ہو کر اسی سے ثابت شدہ مانے جائیں گے۔ (باقی آئندہ)